سات اخلاقِ فاضلہ

ڈاکٹر عبدالواحد ہالےپوتا

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک بنی نوع حیوان سے انسان کو جو چیزیں ممتاز کرتی ہیں ان میں سے ایک "رائے کلی" ہے اور اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ ایک حیوان بھی دفعِ مضرت اور طلبِ منفعت کے لئے غصہ میں آتا ہے، لیکن اس کا یہ غصہ ایک محسوس اور متوہم غرض کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن انسان اس لئے بھی غصے میں آتا ہے کہ وہ اپنے غصے سے ایک شہر میں کامل نظام بروئے کار لاسکے۔ نیز حیوان اپنی غرض کے حصول کیلئے جدوجہد کرتا اور اپنے آپ کو تھکاتا ہے، لیکن اس غرض کے محرکات بھوک، پیاس، جنسی خواہش یا ایسی چیزیں ہوتی ہیں، اور انسان ایسی اغراض کے لئے جدوجہد کرتا اور اپنے آپ کو تھکاتا ہے، جن کے محرکات اس وقت اس کے جسم میں نہیں ہوتے۔ چنانچہ وہ ایسے کام کے لئے محنت کرتا ہے، جس سے وہ کوئی اُخروی غرض یا ایسا دنیوی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے، جو بعد میں حاصل ہونیوالا ہوتا ہے۔

انسان کو بنی نوع حیوان سے ممتاز کرنے والی دوسری چیز "ظرافت" ہے۔ ایک حیوان اپنی خوراک اور اپنی رہائش کا اسی قدر انتظام کرتا ہے، جس سے اسکی بھوک کا مداوا ہو اور وہ اپنے آپ کو سردی سے بچاسکے۔ لیکن انسان اس سلسلے میں اس پہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ وہ خوراک اور رہائش میں حسن و خوبی پیدا کرتا ہے۔ تاکہ اس سے اس کی آنکھوں کو سرور اور اس کے نفس کو لذت ملے۔

اور تیسری چیز جو انسان کو بنی نوع حیوان سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ حیوان کے علوم وہی ذرائع و وسائل ہیں، جن سے وہ اپنی معاش کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اور وہ ان سے صرف ضرورت کے وقت ہی کام

لیتا ہے۔ لیکن انسان کے پاس مستقل علم بھی ہے۔ اور وہ اس علم سے اپنے نفس کی تکمیل کرتا ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ تین چیزیں ہیں، جن پر ہم انسان کی ان تمام خصوصیات کی بنیاد رکھتے ہیں، جو اسے اس کے ابنائے جنس یعنی نوع حیوان سے ممتاز کرتی ہیں۔[1]

انسانی طبائع، جو حیوانی طبائع سے ایک جداگانہ حیثیت بھی رکھتی ہیں، ان کی ترقی یافتہ اور صحت مند حالت کی علامات سات نیکیاں ہیں، جنہیں شاہ ولی اللہ سات "اخلاق فاضلہ" کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفسیاتی کیفیت جسے مَلکہ کہتے ہیں، جب طبیعت میں راسخ ہو جائے، تو وہ خُلق ہے، جس کی جمع اَخلاق ہے۔ انہیں اخلاق فاضلہ" اس لئے کہا گیا ہے کہ ان خصوصیات کی وجہ سے انسانی طبائع کو حیوانی طبائع پر امتیاز اور برتری حاصل ہوتی ہے۔

آگے چل کر شاہ صاحب "بدور بازغہ" میں اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح انواع حیوان میں "اتصال" "صلابت" اور "صفا" کی بنا پر آپس میں امتیاز پایا جاتا ہے، اسی طرح ان اوصاف کے لحاظ سے افراد انسانی میں بھی امتیاز ہوتا ہے۔ بعض اشخاص میں دوسروں سے زیادہ "صلابت"۔ "صفا" اور "اتصال" ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ ان سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ان میں اکمل وہ انسان ہے، جس میں یہ تینوں اوصاف درجہ کمال میں ہوں اور ان کے آثار اس کی تینوں قوتوں قلبی۔ طبیعی اور نفسانی میں ظاہر ہوں اور یہ تینوں قوتیں باہم ملی ہوئی ہوں۔

اب ایک تو انسانی طبائع اور حیوانی طبائع میں آپس میں امتیاز پایا جاتا ہے۔ اور پھر خود افراد انسانی میں بھی اپنے ان طبائع کی بناء پر امتیازات پائے جاتے ہیں چنانچہ ایک انسان کی طبیعت، اس حیوانی طبیعت سے جو اس کے مقابلے میں نوع حیوان میں موجود ہے۔ جتنی اعلیٰ ہوگی اسی قدر اس انسان میں فضیلت یعنی خُلق فاضل (جمع اخلاق فاضلہ) پایا جائیگا۔ اور وہ دوسروں سے ممتاز ہوگا۔

شاہ صاحب نے ان اخلاق فاضلہ کی تعداد سات بتائی ہے۔ اور ان کا ظہور جس طرح ہوتا ہے، اس کی کیفیت

---

[1] بدور بازغہ صفحہ ۲۸

حسب ذیل ہے۔

انسان اور حیوان ہر دو میں عقل، قلب اور نفس کی قوتیں ہیں، جنہیں نوعِ حیوان کی بنیادی قوتیں کہنا چاہیئے۔ انسان میں ان سے اوپر تین قوتیں اور بھی ہیں، جن کو شاہ صاحبؒ رائے کلی، ظرافت اور تکمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب عام انسانی طبیعت جب ان مذکورہ بالا قوتوں کے باہمی تعامل اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے کی وجہ سے بنی نوع حیوان کی بنیادی قوتوں سے ارتقا کرتی ہے، تو اس میں طرح طرح کی خصوصی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، جو چند در چند ملے جلے عواطف و جذبات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان پیچیدہ نفسیاتی صفات کو شاہ ولی اللہ نے سات حصّوں میں تقسیم کیا ہے جنہیں وہ سات اخلاق فاضلہ کہتے ہیں۔

جیساکہ ابھی بتایا گیا ہے، نوع حیوان کے طبائع پر، جو انسان اور حیوانوں دونوں میں مشترک ہیں، جب انسان کے خصوصی طبائع یعنی رائے کلی، ظرافت اور تکمل اثر انداز ہوتے ہیں، تو ان دونوں کے تعامل سے اوپر کے اخلاق فاضلہ وجود میں آتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان اخلاق فاضلہ کا منبع و مصدر اور سرچشمہ یہی طبائع حیوانی ہیں، جو حیوانوں کی طرح انسان میں بھی موجود ہیں غرضیکہ پوری نوع حیوان میں عقل، قلب اور نفس کی طبائع میں جو جبلتیں ہیں، وہی دراصل ان سات اخلاق فاضلہ کا بڑا منبع ہیں۔ ان جبلتوں کو رائے کلی، ظرافت اور تکمل کی خصوصی انسانی طبائع اخلاق فاضلہ کی شکل میں بدل دیتی ہیں اب اگر انسان میں یہ جبلتیں نہ ہوں اور اس کے باطن میں عقل، قلب اور طبیعت کی پوری نوع حیوان کی بنیادی قوتوں اور رائے کلی، ظرافت اور تکمل کی انسانی قوتوں میں عمل و تعامل نہ ہو۔ اور یہ ایک دوسرے کو متاثر نہ کریں، تو انسان کے اندر اخلاق فاضلہ وجود میں نہ آئیں۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم ان سات اخلاق فاضلہ کا فرداً فرداً ذکر کرتے ہیں۔

حکمت۔ یہ عقل کا وصف ہے اس کا اظہار جو علوم انسان حواس کے ذریعہ بدیہی طور پر، اور فکر و نظر کے ذریعہ یا نورِ الٰہی کے ذریعہ، جسے اس دنیا میں شریعت کہا جاتا ہے، حاصل کرتا ہے۔ انہیں محفوظ کرنے، ان پر سوچ بچار کرنے اور ان کے بارے میں فیصلے کرنے جیسے امور میں ذہن کی تیزی و مہارت میں ہوتا ہے۔ حکمت سے بہرہ ور آدمی میں "فطانت"۔ "بصارت"۔ "تفہم"۔ "احصاء"۔ "ادراک"۔ "ذکاوت" اور "حدس" (آنیوالے واقعات کا اندازہ کر لینا) کی صفات ہونی چاہیئے۔ "بدور بازغہ" میں حکمت کی مزید تشریح شاہ صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ہم جس حکمت کو بیان کرنا چاہتے ہیں، ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ "دقتِ نظر" نہیں، جو اصحابِ فلسفہ اور ان سے ملتے جلتے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نہ وہ "عمیق وجدان" مراد ہے، جو نفوس میں تجلی کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ اور صوفیہ اور ان سے ملتے جلتے لوگوں کی خصوصیت ہے۔ بلکہ حکمت وہ ہے، جس کے ذریعے سلیم المزاج لوگ اپنی معاشی سرگرمیوں اور ان علوم کی طرف جو ان کے نسمہ[1] سے تعلق رکھتے ہیں، ہدایت پاتے ہیں۔ بسا اوقات تم ایک ایسے اعرابی (دیہاتی اور بدّو عرب) کو دیکھو گے کہ وہ اہلِ حضر (شہر والوں) کے احوال و معاملات کے علوم سے ناواقف ہے، لیکن وہ "حکمت بالغہ" سے بہرہ ور ہے۔ بات یہ ہے کہ "حکمت" کسی ایک خاص مسئلے سے مختص نہیں ہے۔ بلکہ وہ علم کی ایک قسم ہے، جو بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اور اس سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ حکمت احوال یعنی کیفیات میں سے ایک کیفیت ہے کہ دل اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ حکمت سے مراد صرف علمی صُوَر واشکال کا ذہن میں مرتسم ہونا نہیں اور نہ دور دراز کے احتمالات اور بے کار کی دقیقہ سنجیوں کو پیدا کرنا حکمت ہے۔"[2]

شاہ صاحب نے حکمت کا جو تجزیہ کیا ہے اور اس کی جو خصوصیات بیان کی ہیں، ان سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ حکمت کا زیادہ تر تعلق عقل، قلب اور طبیعت کے جو تین اوصاف ہیں، ان میں سے عقل کے وصف سے ہے، لیکن اپنے موثر اظہار اور فاعلانہ قوت کے لئے وہ ایک حد تک اوپر کے بنیادی طبائع انسانی کے باقی دو ارکان - قلب اور طبیعت - پر بھی انحصار رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر انسانی جسم میں کوئی بھی نقص ہوگا تو یہ لازماً عقل کے ارتقا میں حارج ہوگا۔ جس کا اثر کسی نہ کسی شکل میں حکمت پر پڑے گا۔ اسی طرح ارادے کی مضبوطی اور کمزوری بھی حکمت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

شجاعت - نوعِ حیوان میں جسم، عقل اور قلب کے جو اوصاف سریع الغضب، جسری، کینہ ور صاحبِ غیرت ہونا، پائے جاتے ہیں، جیسے سینے کا کشادہ ہونا، قوی المزاج ہونا، مضبوط اعضا رکھنا۔

---

[1] "وہ لطیف بدن جو نفس سے متصل اور انسانی جسم میں جاری وساری ہے اور قویٰ اور افعال کا حامل ہے" بدور بازغہ صفحہ ۳۳۔ [2] بدور بازغہ صفحہ ۴۰

بلند آواز، سخت گیر اور عظیم الجثت وغیرہ ہونا؛ ان کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سب صفات بعینہٖ انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے ہم یہ جو اصول بیان کر آئے ہیں، وہ تمہیں ملحوظ رہیں کہ انسان میں رائے کلّی، ظرافت اور اخلاق اور علوم کے ذریعہ تکمیل حال کرنے کی خصوصیات ان کے علاوہ ہوتی ہیں۔ پوری نوعِ حیوان میں غضب وغصہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ انسان میں بھی ہے۔ اب جب اس میں رائے کلّی کا دخل ہوتا ہے، تو یہ شجاعت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ یوں کہ انسان کو جب غصہ آتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر اس نے فوراً بدلہ لیا، تو اس سے فتنہ وفساد بڑھے گا، چنانچہ وہ بعد کے نفع ونقصان کو پیش نظر رکھ کر اپنے لئے طریقۂ کار اختیار کرتا ہے۔ اس خُلق کو شجاعت کہتے ہیں۔ اس کا محرک وہ علم ہوتا ہے، جس کے مطابق اس کا دل اور ہاتھ فیصلہ کرتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک "ان سب علوم میں جب رائے کلّی اور تکمیل اخلاق کا جذبہ اثر انداز ہوتا ہے، تو یہ حکمت ہے، اور جب "ظرافت" کا ان میں عمل دخل ہوتا ہے، تو طرح طرح کے علوم وجود میں آتے ہیں"۔[1]

مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے اور سختی کے جذبات کو عقل کے تابع رکھے۔ اور اس کے فیصلوں کے مطابق انہیں بروئے کار آنے دے۔ اس ضمن میں وہ ذاتی انتقام سے بھی درگزر رہے، اس سلسلے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر رائے کلّی اور مصلحتِ بالغہ (کاملہ) اس امر کی مقتضی ہو کہ مصائب وخطرات کا مقابلہ کیا جائے، تو مقابلہ کرتے وقت دل کو مضبوط رکھنا شجاعت ہے۔ اور انسان اس قسم کا مقابلہ اسی وقت اچھی طرح سے کرتا ہے، جب اسے معلوم ہو کہ بعد میں اس کے نتائج اچھے ہوں گے۔ شاہ صاحب کے نزدیک مرنے پر ہر وقت تیار رہنا اور اس کے لئے اقدام کرنا ہی ہمیشہ شجاعت نہیں ہے۔ خود اُن کے الفاظ میں بعض موقعوں پر میدان جنگ سے فرار بھی شجاعت ہے، اور کسی کمزوری کی وجہ سے ایسا نہ کرنا بزدلی ہوتی ہے نیز ہمارے نزدیک شجاعت یہ نہیں کہ آدمی سخت اور بدمزاج ہو، وہ ہر ایک سے بحث میں الجھے اور لڑے، نہ یہ کہ وہ بغیر کسی بڑے مقصد کے اپنی جان ہر جگہ خطرے میں ڈالتا پھرے اور نہ یہ کہ وہ حریص ہو، اور کسی لذت کو نہ چھوڑ سکے۔

---

[1] بدور بازغہ صفحہ ۳۰

ایسا آدمی کبھی بھی بہادروں کے مقابلے میں نہیں آسکتا۔ اور وہ خود اپنے نفس کا اسیر رہتا ہے، جیسے مکھی شہد سے چمٹ کر اس کی اسیر ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔ یہ ہے شجاعت کی حقیقت۔ اس کا اطلاق نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے، انہیں دبانے اور ان سے عہدہ برآ ہونے پر بھی ہوتا ہے کہ جیسے کہ مثال کے طور سے آدمی کوئی عزم کرے اور اسے پورا کرنے پر تُل جائے، خواہ اس کے ساتھی اور اہلِ زمانہ اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں [1]

عفت ۔ انسان کے اندر نوعِ حیوان کے جو بنیادی طبائع ہیں، ان میں سے ایک کی جبلت پر جب عقل یعنی رائے کلی کا اصلاح کن اور تہذیب بخش اثر و نفوذ کارفرما ہوتا ہے، اور وہ اس کے تابع ہوتی ہے، تو اس کا اظہار عفت اور پاک دامنی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس جبلّت کا تعلق جنس اور جنسی افعال سے ہے۔

انسان کی "روحِ بصری" صنفِ لطیف کے حسن و جمال کی طرف میلان رکھتی ہے۔ اس کی "روحِ سمعی" اس کی رقّت بھری آوازوں کو سننا چاہتی ہے۔ اس کی "روحِ شمّی" (سونگھنے والی روح) صنفِ لطیف کی خوشبو سونگھنے کا میلان رکھتی ہے۔ انسان کی "روحِ لمسی" (چھونے کی روح) اُس صنف کا لمس چاہتی ہے اور یہ سب میلانات انسان کے حواس میں جاری و ساری ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان میں مادہ منویہ ہے، جو اپنی تسکین چاہتا ہے۔

خاندانی زندگی کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے اہلِ خانہ اور ساتھیوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے "اخلاقِ فاضلہ" "تجربیاتی علوم" اور "رائے کلی" کو پیشِ نظر رکھو تاکہ تمہاری زندگی اچھی طرح گزرے اور ان سے تمہارے تعلقات ٹھیک رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ہے کہ اس نے انسان کو طے شدہ طریقے پر نکاح کے ذریعے زن و شوئی کے تعلقات قائم کرنے کا الہام فرمایا۔ [2]

مردوں میں سے صاحبِ عفت یا عفیف وہ ہے، جو جنسی قوٰی اور صنفِ لطیف سے میلان رکھتے ہوئے اپنی اس جبلّت کی تسکین اپنی منکوحات سے کرتا ہے۔ اور اس جبلّت کو مکمل طور سے رائے کلی کے ماتحت

---

[1] بدور بازغہ صفحہ ۴۴۔۴۵ ۔ [2] بدور بازغہ صفحہ ۶۰

رکھتا ہے۔ اور عورتوں میں سے عفیفہ اور پاک دامن وہ ہے، جو اپنی اولاد سے شفقت اور اپنے خاوند سے محبت رکھتی ہے [1]

سماحت۔ سماحت کے معنی فیاضی کے ہیں۔ اصول ارتقاء کے مطابق نوعِ حیوان میں "تعجُب" (فخر و غرور اور شیخی) اظہارِ ذات اور دوسروں سے بڑا بننے کے جو جذبات ہیں، وہ ترقی کر کے سماحت میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ جذبات اصل میں تو جبلتیں ہی ہیں، جنہیں انسان حیوانوں یا قدیم وحشی انسان کی طرح انفرادی اغراض اور ذاتی تسکین کے بجائے اعلیٰ مقاصد اور عمومی اغراض کے لئے استعمال کرتا ہے، جو اس کی ذات کا نعم البدل بن جاتی ہیں۔

سماحت کا بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "سماحت کا تعلق ہیئتِ قلبی سے ہے، اور انسان کا ہر تنگی اور جلد بازی سے بلند تر ہونا سماحت ہے۔ وہ انسان کو ہر چھوٹی اور ذلیل غرض سے محفوظ رکھتی ہے۔" یہ بات بالکل واضح ہے کہ ذہنی تنگی اور اخلاق کی کمینگی ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ان کا رجحان عمومیت اور وسعتِ قلبی کے بجائے عموماً انفرادی و ذاتی اغراض کی طرف ہوتا ہے جو کہ حیوانوں کا خاصہ ہے چنانچہ نچلے درجے کی خود غرضی کا تعلق ذلیل اور کم درجے کے مقاصد سے ہوتا ہے

صاحبِ سماحت آدمی پُر وقار ہوتا ہے، اس میں تحمل ہوتا ہے۔ وہ غصّے کو پی لیتا ہے۔ وہ اچھی امیدیں رکھتا ہے۔ ثابت قدم اور ارادے کا دھنی ہوتا ہے وہ پیش آمدہ امور سے پریشان نہیں ہوتا معاف کرنے میں وسعتِ قلب رکھتا ہے۔ اسے شیخی سے نفرت ہوتی ہے اور تواضع کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرم طبیعت ہوتا ہے اور ذاتی انتقام کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور وہ اسی وقت انتقام لیتا ہے، جب مصلحتِ عمومی اس کی مقتضی ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے بلکہ وہ انتقام کو اپنے لئے ایک ادنیٰ چیز سمجھتا ہے۔ اسی طرح وہ اس لئے سخی نہیں ہوتا کہ وہ مال و دولت کو سنبھال نہیں سکتا یا وہ طبعاً فضول خرچ ہے، بلکہ وہ مال و دولت کو اپنا حقیر غلام سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کا مالک آقا۔ اور ایک آقا کی حیثیت سے اس میں عمل درآمد کرتا ہے۔

---

[1] - بدور بازغہ صفحہ ۳۰

فصاحت۔ اوپر کے چار اخلاق فاضلہ کے بعد دو اخلاق فاضلہ اور ہیں، جن کی وجہ سے انسان کو حیوانوں پر برتری حاصل ہے۔ اور ان دونوں کا تعلق انسان کے اپنے تصورات، افکار اور جذبات کو بڑی وضاحت اور موثر طریقے سے اظہار کرنے کی شکل اور اس کے طریقہ کار سے ہے۔ ان میں سے زبان کے ذریعہ اظہار ما فی الضمیر کو شاہ صاحب "فصاحت" کا نام دیتے ہیں اور دوسرے ذرائع سے اظہار کو وہ "دیانت" کہتے ہیں حیوانوں میں بھی یہ قدرتی صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنے جذبات کا زبان اور گلے کے ذریعہ مختلف آوازوں میں اظہار کرسکتے ہیں۔ فصاحت کی فضیلت کی یہ ابتدائی بنیاد ہے۔ جب ان آوازوں پر انسانی عقل کے وصف "ظرافت" کا عمل دخل ہوتا ہے۔ تو وہ آوازیں کلام واضح اور قابل فہم نطق کی صورت اختیار کرلیتی ہیں، اور جب وہ عقل کے دوسرے دو اوصاف "رائے کلی" اور "متکمل بالا خلاق" کے تابع آئیں تو یہ فصاحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آواز کی قوتوں اور ذہن کی علم و ادراک کی قوتوں میں ایک ارتباط پیدا کیا ہے اور یہ ارتباط حیوانوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن انسان کے ہاں ایک تو ان دونوں قوتوں میں ارتباط زیادہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے انسان آواز کو ٹکڑوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔ چنانچہ علم و ادراک کی قوتوں سے جو کچھ زبان پر آتا ہے، جب زبان اسے صحیح طرح ادا کرتی اور اس میں تنظیم پیدا کرتی ہے، تو یہ فصاحت ہے اور اگر انسان کا دل "ظرافت" کے عقلی وصف سے متصف ہو، وہ معانی کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرے، مقتضائے مقام کا لحاظ رکھے اور علم و ادراک کی قوتوں کی باریکیوں کی رعایت اس کے پیش نظر رہے، تو یہ بلاغت ہے۔

اہل حضر (شہری) اور اہل بدو (صحرائی) اور عجم و عرب میں سے ہر قوم کی بلاغت اپنے مزاجوں اور علوم کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، لیکن ہر قوم کی بلاغت کا معیار وہ شخص ہوتا ہے، جس کی اصل فطرت میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ الفاظ میں وہ لفظ انتخاب کرے، جو نہ تو غیر مانوس ہو اور نہ کانوں پر بار ہو۔ ترکیبوں میں سے اس ترکیب کا انتخاب کرے، جس میں ضعف نہ ہو، اور اسلوب وہ اختیار کرے، جس سے دل پر عظمت چھا جائے اور وہ دل کو اپنے حسن و جمال سے موہ لے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فصاحت یہ نہیں، تمہیں بہت سے اشعار اور مسجع عبارتیں یاد ہوں اور تم انہیں برابر اپنے کلام میں گھسیٹتے رہو۔ یا تم فارسی میں عربی الفاظ گھسیڑو اور عربی میں

فارسی الفاظ یا خواہ مخواہ سجع اور تجنیس تمہارے دل کو لبھائے۔ لیکن اگر ان میں سے ہر چیز سلیقے سے ہو، تو ہم بے شک اس کی تعریف کریں گے۔ [1]

دیانت ۔ اِس خُلق فاضل یا فضیلت کا بھی وہی مصدر و منبع ہے جو فصاحت کا ہے، لیکن فصاحت کا تعلق زبان کے ذریعہ اظہار ما فی الضمیر سے ہے۔ اور جسم کی حرکات و سکنات اور چہرے کی علامات کے ذریعہ ما فی الضمیر کی صحیح صحیح تعبیر "دیانت" ہے۔ اس کی تشریح شاہ صاحب یوں فرماتے ہیں۔

حیوان کی بالعموم اور انسان کی بالخصوص یہ جبلّت ہے کہ ان ہر دو کے ذہن میں جو خیالات آتے ہیں، ان کے اعضاء و جوارح ان کی نقل کرتے ہیں۔ ایک حیوان کا سینہ جب فخر و غرور سے بھر جاتا ہے تو وہ اپنی گردن اونچی کرتا ہے۔ اور جب وہ بُجھا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل محسوس کرتا ہے، تو اس کا سر جُھک جاتا ہے۔ اور دُم لٹک جاتی ہے۔ اور ایسے ہی حیوان اور انسان جبلّی طور سے ان افعال سے رُک جاتے ہیں، جن کے بارے میں ان کے دلوں میں نفرت اور بیزاری پیدا ہو جاتی۔ الغرض اعضاء و جوارح دل کے لئے ایک آئینہ ہوتے ہیں، جیسے کہ زبان اس کے لئے آئینہ ہے۔ دل پر جو کچھ گزرے، اس کا جوارح کے ذریعہ صحیح اظہار "دیانت" ہے۔ [2]

ایک شخص ہے، جس کا سینہ خدا تعالیٰ کی تعظیم و عظمت سے بھرپور ہے؛ اب اس کے اعضاء و جوارح اس کا اظہار انہی صورتوں اور شکلوں میں کریں گے، جو اس کی قوم میں رائج ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک "ورع" (پرہیزگاری) "عبادت" اور "اخلاق" اسی دیانت کے شعبے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔ جن لوگوں میں دیانت کی فضیلت ہو، وہ اس کے ان شعبوں۔ ورع، عبادت اور اخلاق کو ان طریقہ ہائے کار اور رسوم کے ذریعہ ترقی دے سکتے ہیں، جو ان کی قوم میں رائج ہوتے ہیں۔ اور انہیں بجا لانے لانے ان لوگوں کے لئے ورع، عبادت اور اخلاق کے خلاف جانا مشکل ہو جاتا ہے۔

---

[1] ۔ بدور بازغہ صفحہ ۴۶

[2] ۔ بدور بازغہ صفحہ ۴۷

سمت صالح - سمت صالح کی فضیلت کا منبع د مصدر ترقی یافتہ متوازن طبیعت ہے، جس میں ایک طرف باطنی ہم آہنگی ہو، اور دوسری طرف اسکے مختلف حصے اور اجزا باہم متناسب ہوں، اس کی وجہ سے ذہن میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، جو ہمیشہ اپنے عمل وکردار میں استقامت اور ہم آہنگی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس ذہن کا مالک یقیناً ایک سلجھے ہوئے، متوازن اور ہم آہنگ کردار کا ہوگا اور وہ عارضی حالات اور وقتی تہیجات سے متاثر نہیں ہوگا۔

وہ لوگ جن کے طبائع میں یہ ہم آہنگی نہیں ہوتی، وہ اپنے عمل وکردار میں زیادہ دیر تک استقامت اور پختگی کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ اور ان سے متضاد قسم کے افعال سرزد ہوتے رہتے ہیں مثال کے طور سے ایک وقت میں ان سے بڑے اچھے اور اعلیٰ کام ہوتے ہیں۔ اور پھر انہی لوگوں کو بہت چھوٹے اور ذلیل کام کرتے پایا جاتا ہے۔ اور یہ سب نتیجہ ہوتا ہے ان کی طبیعت میں ہم آہنگی یعنی "سمت صالح" کے نہ ہونے کا۔ سمت صالح کی تعریف یہ قوائے عاملہ اور عاقلہ پر حکم لگانے میں قلب کا صحیح المزاج ہونا تاکہ ایک طرف اسے کوئی وہم، خیال، وسوسہ اور تہیج اس معمول کے بارے میں جس کا وہ عادی ہو چکا ہے۔ تشویش میں نہ ڈال دے۔ اور دوسری طرف اس کے بعض افعال دوسرے افعال سے متضاد نہ ہوں کہ بعض سے تو عظمت اور بڑائی کا اظہار ہو رہا ہو۔ اور بعض کمینگی، ذلت اور چھوٹا پن کا مظاہرہ کر رہے ہوں" [1]

یہ ہم آہنگی اور تناسب (سمت صالح) انسان کے اخلاق، اعمال اور لباس میں بھی ہونا چاہیئے۔ اور اس کے ایک فعل کی مختلف جزئیات میں بھی۔ یہ نہ ہو کہ ایک وقت میں وہ عظمت وجبروت کے مظہر میں نظر آئے۔ اور اس کا وقار، سماحت اور شجاعت کا پیراہن ہو، اور دوسرے وقت میں وہ فقیر، بخیل، تنگ دل اور بزدل کی صورت میں ہمارے سامنے آئے، یہ سب باتیں اس کا پتہ دیتی ہیں کہ اس کے ہاں سمت صالح کا نقدان ہے اور وہ طبیعت کی ہم آہنگی سے محروم ہے۔

آخر میں مجھے یہاں صرف اس بات کا اضافہ کرنا ہے، کہ شاہ ولی اللہ کا اخلاقیات کے بارے میں

---

[1] - بدور بازغہ ۸ ۴

جو نقطۂ نظر ہے، وہ پوری انسانی زندگی پر حاوی ہے، اس بنا پر وہ جو نظام اخلاقیات پیش کرتے ہیں، وہ مشتمل ہے اخلاقی عمل و کردار کے ان اصولوں پر جو نفس انسانی کے اندر نیکی اور فضیلت کی کیفیات باطنی پیدا کرنے میں بھی ممد ہوتے ہیں، اور فرد، معاشرے اور انسانیت عامہ کی عمومی فلاح و بہبود بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ چنانچہ ان کے اخلاقی اصولوں کا نفسیات اور عمرانیات یا اجتماعیات دونوں سے گہرا تعلق ہے اس لئے شاہ صاحب نے نیکی یا فضیلت اور خاص طور سے سات اخلاق فاضلہ کا جو تصور پیش کیا ہے اسے سمجھنے کے لئے شاہ صاحب نے نفسیات اور عمرانیات کے جو اصول وضع فرمائے ہیں، ان کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

مختصر الفاظ میں شاہ صاحب کے نزدیک اخلاق فاضلہ صرف عقل و قلب و طبیعت کے باطنی کوائف و احوال نہیں، بلکہ خارج میں اور اس مادی زندگی میں اور انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں میں بھی ان کا عملی اظہار ہونا چاہیئے۔ وہ اخلاق فاضلہ کی بحث کا آغاز نوع حیوان کی ان طبائع سے کرتے ہیں، جو تمام حیوانوں میں بشمول انسان مشترک ہیں۔ یہ طبائع اصل سرچشمہ ہیں ان اخلاق کا جو مسلسل ترقی اور ارتقاء کے ذریعہ درجات کمال حاصل کرتے ہیں۔ اور آخر کار انسان اس منزل پر پہنچتا ہے جسے ایک لفظ میں "سعادت" کا نام دیا جا سکتا ہے۔

انسان کے اندر اخلاق و اطوار کی جو نفسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، ان میں سے ہر نفسی کیفیت کا خارج میں کوئی نہ کوئی عملی مظہر ہوتا ہے۔ اور یہ عملی مظہر ہی اس عالم محسوس میں اس خلق کی نفسی کیفیت کا مادی قائم مقام بن جاتا ہے۔ اب اخلاق انسانی کے یہ عملی مظاہر ذریعہ بن جاتے ہیں نفس میں ان اخلاق کی باطنی کیفیات کی تربیت کا۔ چنانچہ اگر تعریف ہوتی ہے تو ان عملی مظاہر کی اور مذمت کی جاتی ہے تو ان کی۔ اور ذکر ہوتا ہے تو ان عملی مظاہر کا۔ اگرچہ اصل مقصود یہ عملی مظاہر نہیں، بلکہ وہ نفسی کیفیات ہوتی ہیں، جن کے یہ اعمال خارج میں مظہر بنتے ہیں۔

(فیوض الحرمین)